 

04-02-2017

امریکہ میں انتقالِ اقتدار

مفتی منیب الرحمٰن

میں 12 جنوری سے 30 جنوری تک امریکہ کے دورے پر رہا۔ اس دوران طویل اسفار کرنے پڑے اور مختلف امریکی شہروں میں مسلمانوں کے اجتماعات سے خطابات اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ نیویارک میں مقامی صحافی جناب عظیم ایم میاں نے پاکستانی اہلِ صحافت اور کلیدی پاکستانی شخصیات سے ملاقات اور تبادلۂ خیال کے لیے ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ اس دورے کی روداد اور مشاہدات وتجربات سے قارئین کو آگاہ کروں گا۔

20 جنوری 2017ء کو صدر اوباما کا آٹھ سالہ دور اختتام کو پہنچا اور نومنتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے آئندہ چار سال کی مدت کے لیے صدارت کا حلف اٹھالیا۔ 2016 میں امریکی صدارتی انتخابات کی مہم امریکی روایات کے برعکس الزامات اور جوابی الزامات اور تضادات سے پُر رہی۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے سفید فام اکثریت کے ذہنوں میں تارکینِ وطن اور میکسیکن باشندوں کے حوالے سے ایک خوف پیدا کیا کہ وہ ان کے روزگار کے مواقع پر قبضہ کررہے ہیں اور مستقبل قریب میں ان کی اکثریت بھی متاثر ہوسکتی ہے، ان کا یہ نفسیاتی حربہ کامیاب ثابت ہوا اور تمام تجزیوں اور جائزوں کے برعکس ڈونلڈ ٹرمپ واضح اکثریت سے کامیاب ہوگئے۔

اپنے موقف کے اظہار میں ایک غیر محتاط، غیر متوازن اور منہ پھٹ شخص کا سپر پاور کا صدر منتخب ہوجانا پوری دنیا سمیت خود امریکیوں کے لیے بھی حیرت کا باعث بنا، لیکن بہرحال یہ عجوبہ رونما ہوگیا۔ اس کے بھی شواہد ملے کہ بڑے شہروں سے ہٹ کر دور دراز کے قصبات کی سفید فام آبادی میں عصبیت کے جراثیم موجود ہیں، جسے ٹرمپ نے کمال مہارت سے اپنے حق میں استعمال کیا۔

ٹرمپ کی کامیابی کے باوجود یہ توقع کی جارہی تھی کہ وہ ایوانِ صدر میں داخل ہوتے ہی معاشرے کو شکست وریخت سے دوچار کرنے والے غیر محتاط فیصلے کرنے میں عجلت نہیں کریں گے اور اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ مل کر چلیں گے۔ لیکن بعض اقدامات اور فیصلوں کی شروعات میں انھوں نے تاخیر نہیں کی اور ایگزیکٹیو آرڈر جاری کرنا شروع کردیے، ان اقدامات میں ٹی پی پی اور NAFTA سے معاہدے ختم کرنے، امریکا اور میکسیکو کے درمیان سرحد پر دیوار تعمیر کرنے، غیر قانونی تارکینِ وطن کی بے دخلی اور وزارتِ خارجہ میں نان پروفیشنل ڈپلومیٹس کی تقرری، سات مسلم ممالک کے شہریوں کے داخلے پر تین ماہ پابندی اور اس دوران ان کے لیے امیگریشن کے سخت ترین قوانین کی تیاری شامل ہیں، بعد میں پاکستان اور سعودی عرب کو بھی خصوصی نگرانی کے تحت لانے کا اعلان کردیا گیا۔

اس تمام صورتِ حال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ امریکی تاریخ میں پہلی مرتبہ صدارتی انتخاب کے ردِعمل میں بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوئے، جن میں دیگر رنگ ونسل کے لوگوں کے علاوہ سفید فام لوگوں کی بھاری اکثریت بھی شامل تھی۔ بعض ریاستوں نیویارک، کیلی فورنیا وغیرہ کے گورنروں اور بعض بڑے شہروں کے میروں نے ان احکامات کو رد کرنے اور ان کے نفاذ میں وفاقی حکومت کے ساتھ عدمِ تعاون کا اعلان کیا۔ اس کے ردِعمل میں صدر ٹرمپ نے وفاقی بجٹ سے ان شہروں کو دی جانے والی گرانٹ میں کٹوتی کی دھمکی دی، مگر تاحال یہ دھمکی کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ الغرض ٹرمپ نے امریکا کی تاریخ میں پہلی بار امریکی سوسائٹی کو شکست وریخت سے دوچار کیا ہے۔ امریکا کی ایک سابقہ وزیرِ خارجہ میڈلین البرائٹ نے ٹویٹ کیا: ''اگر امریکہ میں

Part-2

مسلمانوں پر رجسٹریشن کی پابندی عائد کی گئی تو میں سب سے پہلے خود کو مسلم امریکن کے طور پر رجسٹر کراؤں گی''۔ بعض یہودی رہنماؤں نے بھی سوشل میڈیا پر اس سے ملتے جلتے ریمارکس دیئے اور ہیوسٹن میں وکٹوریا مسجد جلائے جانے پر یہودی مذہبی رہنما نے مسلمانوں کے لیے اپنی کنیسہ کھولنے کا اعلان کیا۔ بعض سفید فام افراد نے مظاہروں کے دوران **I am muslim American** کے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے۔ سو اسلام اور مسلمان 9/11 کے بعد ایک بار پھر ہیڈ لائن بن گئے۔

صدر ٹرمپ کی بیگم امریکی خاتون اول ملانیا ٹرمپ سفید فام تارکِ وطن ہیں، کسی نے طنز کے طور پر پلے کارڈ پر لکھا: ''ملانیا ٹرمپ کو ملک بدر کیا جائے''۔ صدر اوباما نے دوبارہ عملی زندگی شروع کرنے سے پہلے کچھ عرصے تک سکوت اختیار کرنے کا اعلان کیا تھا مگر انہیں بھی کہنا پڑا کہ ٹرمپ کے یہ اقدامات ہماری روایات اور آئین کے خلاف ہیں۔ مشیل اوباما نے ٹویٹ کیا: ''وائٹ ہاؤس میں میری جگہ ایک تارکِ وطن خاتون لیں گی''۔

امریکی رنگ و نسل، مذہبی تنوع اور تکثر کو اپنے افتخار کے طور پر پیش کرتے تھے۔ آج اس افتخار کا آئینہ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو رہا ہے، لوگ اس شعر کی تصویر بنے ہوئے ہیں:

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا   کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا

پوری مغربی دنیا حیرت میں ڈوبی ہوئی ہے کہ اچانک امریکہ میں کایا پلٹ کیسے ہو گئی۔ صدر ٹرمپ نے حلف اٹھانے کے بعد اپنے پہلے عوامی خطاب میں ہمارے سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کی طرح کے لہرا کر ''سب سے پہلے امریکا'' کا بھی اعلان کیا اور حب الوطنی کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ایک بڑا سرمایہ دار ہوتے ہوئے عوام کی حالت زار بدلنے کے بھی دعوے کیے اور کہا:

''طویل عرصے تک دارالحکومت میں ایک چھوٹے سے طبقے نے عشرتیں کیں جبکہ اس کی قیمت عوام نے ادا کی۔ واشنگٹن کی رونق دوبالا ہو گئی مگر عوام اپنے حصے سے محروم رہے۔ سیاست دان خوش حال ہو گئے مگر روزگار کے مواقع ختم ہوتے چلے گئے۔ اسٹیبلشمنٹ نے اپنا تحفظ کیا مگر شہری غیر محفوظ ہو گئے۔ ان کی فتوحات آپ (عوام) کی فتوحات نہیں تھیں، ان کی کامیابیاں آپ کی کامیابی نہیں تھی۔ جب دارالحکومت میں مراعات یافتہ طبقہ جشن منا رہا ہوتا تو اپنی بقا کی جدوجہد میں مصروف عوام اس میں شریک نہ ہوتے۔ تمام تبدیلیوں کا آغاز ابھی اور یہیں سے ہو رہا ہے۔ میں آپ میں سے ہوں، میں اُن سب کا ہوں جو آج یہاں جمع ہیں اور جو امریکہ بھر سے ہمیں دیکھ رہے ہیں اور اب امریکہ آپ کا ملک ہے، یہ آپ کا دن ہے، آپ کا جشن ہے۔ اس بات کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں کہ کون سی پارٹی امریکہ میں برسرِ اقتدار ہے، اہمیت اس کی ہے کہ آیا یہ عوامی راج ہے۔ یہ دن اس لحاظ سے یادگار رہے گا کہ آج حقیقی حکمرانی عوام کے ہاتھ آ گئی ہے، نظر انداز کیے عوام اب مزید نظر انداز نہیں کیے جائیں گے۔ آج ہر ایک آپ کے لیے ہمہ تن گوش ہے اور دسیوں ملین افراد اس یادگار تاریخی لمحے کا حصہ بن چکے ہیں۔ امریکیوں کو اپنے بچوں کے لیے عظیم درس گاہیں، اپنے خاندانوں کے لیے محفوظ ماحول اور اپنے بچوں کے لیے روزگار چاہیے۔ آج ہم ایک قوم ہیں ہمارا دکھ درد ایک ہے، ہمارے خواب ایک ہیں اور ہماری کامیابی ایک ہے۔ امریکیوں کا قتل عام آج اور ابھی رک جانا چاہیے۔ ہم نے دوسری اقوام کا دفاع کیا اور اپنا دفاع نہ کر سکے، ہم نے کھرب ہا کھرب ڈالر دوسروں پر خرچ کیے اور ہمارا اپنا معاشی ڈھانچا تباہ و برباد ہو گیا، ہم نے دوسرے ملکوں کو دولت مند اور طاقت ور بنایا جبکہ ہم خود منظر سے غائب ہو گئے۔ ہمارے کارخانے بند ہو گئے، دسیوں ملین لوگ روزگار سے محروم ہو گئے، ہمارے متوسط طبقے کے وسائل چھن گئے۔

(روزنامہ دنیا، 04، فروری 2017ء)

 

امریکہ میں انتقالِ اقتدار

(حصہ دوم)

مفتی منیب الرحمٰن

ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا: ''امریکا دوبارہ مثالی فتح حاصل کرے گا، ہم ملازمتیں واپس لائیں گے، ہم اپنی دولت اور اپنے خواب واپس لائیں گے، ہم نئی سڑکیں، ہائی ویز، پل، ایرپورٹ اور ریلوے بنائیں گے، ہم امریکی ہاتھوں اور کارکنوں سے اپنے ملک کی تعمیرِ نو کریں گے، ہم لوگوں کو مفت خوری سے نکال کر واپس کام کی طرف لائیں گے، ہم سادہ قوانین بنائیں گے: ''امریکی مال خریدو اور صرف امریکیوں کو ملازمتیں دو''۔ ہم اپنے مفاد میں اقوامِ عالم سے دوستی کریں گے، ہم اپنا طرزِ زندگی دوسروں پر مسلط نہیں کریں گے، مگر اسے مثالی اور پرکشش بنائیں گے تاکہ دوسرے اس کی تقلید کریں، ہم نئے اتحاد بنا کر انتہا پسند اسلامی دہشت گردی کو روئے زمین سے ختم کریں گے۔ جب آپ اپنا دل حب الوطنی کیلئے وا کریں گے تو تعصب کی گنجائش نہیں رہے گی، ہم ایک دوسرے کے لیے وفاداری کو از سرِ نو دریافت کریں گے، جب امریکہ متحد ہوگا تو اس کی رفعتوں کے سفر کو کوئی روک نہیں سکے گا۔ ہماری سوچ اور خواب عظیم ہیں۔ ہمیں ماننا ہوگا کہ جدوجہد میں مصروفِ عمل اقوام کی ارتقا ہی دیرپا ہوتی ہے۔ ہم بے عمل اور محض گفتار کے غازی سیاست دانوں کو مزید برداشت نہیں کریں گے، خالی خولی باتوں کا وقت گزر چکا ہے، اب عمل کا وقت ہے، کسی کو یہ کہنے کی اجازت نہ دو کہ یہ کام نہیں ہوسکتا، کوئی چیلنج امریکیوں کے دل و دماغ کو شکست نہیں دے سکتا۔ ہم ایک بار پھر امریکہ کو قابلِ افتخار، دولت مند، طاقت ور، عظیم اور محفوظ بنائیں گے''۔

ٹرمپ کے قوم سے خطاب کے اہم نکات ہم نے بیان کیے ہیں، یہ مزاحمت پر تلے لیڈر کا لب ولہجہ لگتا ہے، یہ کسی انقلابی فلم کے ڈائیلاگ معلوم ہوتے ہیں، بلند و بانگ دعوے ہیں، لیکن اس پورے خطاب میں کوئی روڈ میپ یا حکمتِ عملی دور تک نظر نہیں آتی کہ وہ اپنے اس منشور کو کیسے روبہ عمل لائیں گے۔ ایک پریس کانفرنس کے دوران ٹرمپ نے CNN کے نمائندے کو سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا اور کہا: ''تم جھوٹی خبریں دیتے ہو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ جارحانہ انداز رکھنے والا میڈیا اب اپنی اہمیت کھو رہا ہے، کاش کہ اس رجحان کا ادراک کرتے ہوئے ہمارا میڈیا متوازن ہو جائے، ورنہ نتیجہ سامنے ہے۔

پوری دنیا کے پاس ''انتظار کرو اور دیکھو'' کی پالیسی کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ عقلِ سلیم والے اہلِ فکر و نظر کو توقع ہے کہ بالآخر ٹرمپ حقیقت پسندی کی طرف لوٹ آئیں گے اور انہیں اپنی اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ مل کر چلنا ہوگا۔ سو مستقبل کے پردے میں کیا مستور ہے، دیکھتے چلے جائیے۔

mu

پاکستان کے حوالے سے ایک امریکی ریڈیو نیٹ ورک سے انٹرویو کے دوران ایک سوال کے جواب میں، میں نے کہا: ''اگر امریکا پاکستان کی سرپرستی چھوڑ دے، اپنا دست شفقت اور تازیانہ پاکستان کے سر سے اٹھالے تو چند جھٹکے سہنے کے بعد یہ قوم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے گی، ہمارے اندر خود اعتمادی آجائے گی، ہم اپنی صلاحیت اور امکانات سے فائدہ اٹھا کر خود کفیل ہو جائیں گے۔ اللہ کرے یہ ہمارے لیے ''عدو شرے برانگیزد، کہ خیر ما دراں باشد'' کے مصداق یہ شرِ ظاہر، خیرِ مستور میں بدل جائے۔

امریکی معاشرے کا مثبت پہلو یہ ہے کہ انتہائی متنازع ہونے کے باوجود ٹرمپ کی رسم حلف برداری میں امریکا کے سابق صدور جمی کارٹر، جارج بش، بل کلنٹن اور باراک اوباما شریک ہوئے، ٹرمپ اور ان کی بیگم نے اوباما اور ان کی بیگم کو باوقار انداز میں رخصت کیا، یعنی ان کے ہاں شخصیات سے اختلاف بلکہ نفرت کے باوجود قومی مناصب کا احترام باقی ہے، جو ہمارے ہاں مفقود ہے، ہم نظریاتی اور سیاسی اختلاف کو ذاتی عداوت میں بدل دیتے ہیں۔

میں امریکہ میں مقیم پاکستانیوں سے ہمیشہ کہتا ہوں کہ پاکستان میں ضرور اپنی پسند کے اداروں اور سیاسی جماعتوں کی مالی اعانت کریں، لیکن وہاں کی سیاسی تقسیم اور محاذ آرائی کو اپنے اوپر مُسلط نہ کریں، بلکہ یہاں آپس میں متحد ہو کر مقامی سیاست اور سماجی شعبوں میں اپنی اہمیت کو ثابت کریں تاکہ مقامی انتظامیہ اور کانگریس کے منتخب ارکان آپ کے جائز قانونی مفادات اور حقوق کے حق میں آواز بلند کریں۔ ہمارے کئی پاکستانی اہل ثروت کی بابت معلوم ہوا ہے کہ وہ صدارتی امیدواروں کو معتد بہ چندہ دیتے ہیں، لیکن پاکستانی کمیونٹی یا مسلم اُمّہ کے اجتماعی مفاد پر بااثر حلقوں میں اپنا ذاتی اثر ورسوخ بڑھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بعض احباب متفکر بھی نظر آئے، میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ ٹرمپ کے جذبات کے تلاطم کا یہ جھاگ بالآخر بیٹھ جائے گا اور معقولیت آخر کار اپنی جگہ بنالے گی۔

اوباما کی رخصتی:

سابق امریکی صدر باراک حسین اوباما نے اپنی صدارت کے دو دورانیے یعنی آٹھ سالہ مدت اقتدار ختم ہونے پر 20 جنوری 2017ء کو وہائٹ ہاؤس کو الوداع کہا۔ امریکہ کی تاریخ میں سفید فام اکثریتی آبادی کے ملک پر، جو ایک سپر پاور بھی ہے، ایک سیاہ فام کا عہدۂ صدارت پر مُتمکن ہونا یقیناً ایک عجوبہ تھا، جو اس سے پہلے ناقابلِ تصور تھا، تاریخ میں یہ افتخار اوباما کے سر پر سجا، جبکہ حالیہ صدارتی انتخاب تک اُن کے والد کا مسلم پس منظر اور پیدائشی امریکی نہ ہونے کا طعن بھی اُن کا تعاقب کرتا رہا۔ اوباما اور اُن کی بیگم دونوں سیاہ فام اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، اوباما بلاشبہ ایک بلند پایہ مقرر رہے، دونوں مُتوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ عام طور پر ایک زیریں یا مُتوسط طبقے کا شخص سب سے بڑے ملک کے سب سے اعلیٰ عہدے پر فائز ہو جائے، تو وہ اپنی اصلیت بھول جاتا ہے، حواس کھو بیٹھتا ہے، اُس سے بے اعتدالیاں سرزد ہوتی ہیں، بدعنوان و بدکردار یا ظالم بن جاتا ہے۔ لیکن اوباما نے توازن برقرار رکھا، اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، یقیناً ریپبلکن اکثریت پر مشتمل کانگریس نے اُنہیں اپنی پالیسیوں اور ویژن پر عمل کرنے کے لیے مکمل آزادی نہیں دی۔ لیکن وہ مرعوب ہو کر بھی نہیں بیٹھے اور جدوجہد جاری رکھی اور زیریں طبقات کو ''اوباما ہیلتھ کیئر'' کی صورت میں بعض سہولتیں فراہم کرنے میں کامیاب رہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ سال میں اُن کا کوئی اسکینڈل نہیں بنا اور ایوانِ اقتدار سے باعزت رخصت ہوئے اور رخصتی کے وقت امریکہ میں اُن کی مقبولیت کا گراف نومنتخب صدر ٹرمپ سے بہتر تھا اور کسی صاحبِ اقتدار کی عظمت کی اصل کسوٹی یہی ہے، اس کے برعکس ارب پتی ٹرمپ

Part-3

صدر منتخب ہونے کے بعد میڈیا کے سامنے نمودار ہوئے اور فائلوں کا ایک پلندا دکھا کر کہا کہ میں کاروبار سے الگ ہو گیا ہوں۔ رپورٹر نے پوچھا: ''اس فائل میں کیا ہے؟'' اُنہوں نے کہا: یہ میں نہیں بتاؤں گا''، بعد میں پتا چلا کہ بیرون ملک اُن کا کاروبار اُن کے نام سے جاری رہے گا، پھر ٹرمپ نے اپنے کاروباری داماد کو اپنا سینیئر مشیر بنا دیا، ٹرمپ کی کابینہ کے اہم ارکان کاروباری ہیں۔ اِس میں پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے حکمرانوں کے لیے ایک سبق ہے۔

اپنے اقتدار کے آخری ایام میں اوباما نے اسرائیل کو بھی اپنی حیثیت یاد دلا دی کہ اس طوطے کی جان امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ سفرِ امریکہ کے دوران پرواز میں ایک اسرائیلی وزیر خاتون کا انٹرویو پڑھنے کو ملا، اُنہوں نے کہا: ''ہمیں یقین ہے کہ امریکہ کبھی ہماری حمایت سے دستبردار نہیں ہوگا، لیکن اگر کبھی ایسا ہو بھی گیا تو ہمیں پرواہ نہیں ہے، مشرقِ وسطیٰ میں ہمیں کوئی چیلنج درپیش نہیں ہے''، لیکن یہ اِدّعا اور خوش فہمی غلط ثابت ہوئی اور سلامتی کونسل میں صرف ایک قرارداد کی حمایت سے امریکہ کے ہاتھ اٹھانے پر نتن یاہو کو اپنا فیصلہ وقتی طور پر واپس لینا پڑا۔ اس طرح اسرائیل کی مخالفت کے باوجود ایران کے ساتھ اُس کے ایٹمی پروگرام کی تحدید کا معاہدہ کیا۔

پہلے امریکی صدر جارج واشنگٹن نے دو مرتبہ منتخب ہونے کے بعد تیسری مرتبہ مقبولیت کے باوجود خود اپنی دست برداری کا اعلان کیا تاکہ دوسروں کو بھی موقع ملے جبکہ روزویلٹ مسلسل چار مرتبہ صدر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد امریکی کانگریس نے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے جارج واشنگٹن کے اصول کو دستوری حیثیت دے دی۔ جنوبی افریقہ کی تحریکِ آزادی کے ہیرو اور بانی نیلسن منڈیلا بھی دوسروں کو موقع دینے کے لیے رضا کارانہ طور پر اُمیدواری سے دست بردار ہوئے۔

اوباما نے اپنا الوداعی خطاب شکاگو میں کیا، جہاں سے اُنہوں نے اپنی تحریک شروع کی تھی، اُنہوں نے اپنے خطاب میں کہا: گھر واپسی کیا خوب ہے۔ امریکی اہلِ وطن! میں اور میری اہلیہ گزشتہ چند ہفتوں سے آپ سے جڑے ہوئے ہیں، آپ کی نیک خواہشات پر مبنی پیغامات ملتے رہے، مگر آج شب میری باری ہے کہ آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آج میں آپ کے روبرو ہوں، میرا خطاب اُن تمام امریکیوں سے ہے، جو گھروں میں ہیں، اپنے کھیتوں کھلیانوں اور کارخانوں میں ہیں، طعام شب پر جمع ہیں یا دور دراز ہیں، کون ہے، جس نے مجھے دیانت دار بنایا، مجھے قابلِ افتخار بنایا، مجھے مصروفِ عمل رکھا، مجھے ایک بہتر صدر اور ایک بہتر انسان بنایا، یہ آپ اور صرف آپ ہیں۔ میں اپنی زندگی کے تیسرے عشرے میں پہلی بار شکاگو آیا، اب تک خود کو پہچاننے میں لگا ہوا ہوں کہ میں کون تھا، اب تک میں اپنے مقصدِ حیات کی جستجو میں ہوں، شکاگو کی گلیوں میں چلتے ہوئے میں نے ایمان کی طاقت کو دیکھا، محنت کش کی عظمت کو جانا، یہاں سے میں نے جانا کہ تبدیلی تب آتی ہے، جب عام آدمی اُس کا طلب گار بن جائے، اس کی جدوجہد میں شامل ہو جائے اور سب یکجان، یک زبان اور پیکرِ عمل بن جائیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہم بحیثیت انسان مساوی پیدا ہوئے ہیں، خالق کی طرف سے ہمارے کچھ ناقابلِ تنسیخ حقوق ہیں، ان میں حقِ حیات اور حقِ حُریت اور مسرّت کی تلاش ہے۔ اوباما نے اپنی کامیابیاں بھی بیان کیں، جن میں 2007ء کے معاشی بحران سے ملک کا نکالنا اور بے روزگاری کے بڑے بحران کے بعد ریکارڈ تعداد میں روزگار کے مواقع کی فراہمی بھی شامل ہے۔

(روزنامہ دنیا، 06 فروری 2017ء)